امام ابو حنیفہؒ اور ارجاء: تحقیقی مطالعہ

Imam Abu Hanifa and *Irja*: A research study

محمد ابراہیم*

ڈاکٹر ناصر الدین ناصر**

Abstract

Imam Abu Hanifa has reached such a climax in his academic excellence that it has literally become impossible for others to reach such a position. However, he too has both his admirers and critics. The latter group has made every effort to spread false propaganda against him. One such aspect of the false propaganda and the lies associated to Imam Abu Hanifa, is "Irja" which is spread by a misguided sect called "Murjia".

This research article investigates the allegations level against Imam Abu Hanifa. It proves that the appearance of Imam Abu Hanifa's adopted definition of "Eyman" is similar to the definition of "Murjia", but Imam Abu Hanifah's did not have beliefs the same as misguided sect "Murjia". The scholars who have referred to Imam as "Murjia" are not misguided sectarians, but are said to be from a particular background, just as many other Imams have also been called "Murjia".

Keywords: Imam Abu Hanifa, allegations, "Irja","Murjia"

---

* لیکچرار ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک اینڈ ریلیجئس سٹڈیز، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

** ایسوسی ایٹ پروفیسر ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک اینڈ ریلیجئس سٹڈیز، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

تمہید

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ تاریخ کی ان مایہ ناز شخصیات میں سے ہیں جن کی علمی و عملی شان پوری امت میں مسلم ہے[1]، ان کی فقہی خدمات ہر زمانہ میں معترف رہی ہیں اور اہلِ علم نے ان کو سراہا ہے[2]۔ اجتہادی مسائل میں اختلاف کے باوجود اہل علم نے امام ابو حنیفہؒ کی شان کے اس قدر معترف ہیں کہ ان کی سوانح پر متعدد کتب تصنیف کر چکے ہیں۔ آپ کی شہرت و قبولیت آپ کو ان علماء کی صف میں کھڑا کر دیتی ہے[3] جن کے بارے میں جارحین کی جرح قابلِ اعتناء نہیں ٹھہرتی[4] لیکن یہ بھی مسلم ہے کہ جو شخص علم و عمل اور شہرت کے جس مقام پر ہوتا ہے اسی قدر اس کے حاسدین کی تعداد بھی زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اس مقام تک پہنچنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہوتا لہذا ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح اس شخص کو اس کے مقام و مرتبہ سے گرایا جائے اس کے لئے وہ طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں جس میں بسا اوقات سادہ لوح مسلمان بھی اس کا شکار ہو جاتے ہیں جیسا کہ حضرت عائشہؓ پر جب تہمت لگی تو منافقین کے ساتھ ساتھ کچھ سادہ لوح مسلمان بھی اس غلط پروپیگنڈہ کا شکار ہو گئے تھے۔[5] حضرت امام ابو حنیفہؒ کی شخصیت بھی ایسی ہی ہے آپ شہرت کے جس مقام پر پہنچے، علم و عمل کی جن بلندیوں کو آپ نے چھوا وہاں تک عام انسان کی رسائی ممکن ہی نہیں اسی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ کے حاسدین کی بھی ایک پوری جماعت تھی جو امام ابو حنیفہؒ کے خلاف مختلف قسم کے ہتھکنڈے استعمال کر کے غلط پروپگینڈہ کرتی تھی اور بعض تعصب میں امام ابو حنیفہؒ کے خلاف جھوٹی باتیں گڑھ کے ان کی طرف منسوب کرتے تھے[6] جس کی زد سے بسا اوقات تاریخ کی مخلص اہم اور نامی گرامی شخصیات بھی متاثر ہو گئی لیکن ان میں سے جن جن کو امام ابو حنیفہؒ سے ملاقات کا موقع ملا[7] یا جنھوں نے براہِ راست آپ کی کتب یا شاگردوں سے استفادہ کیا انہوں نے ان غلط باتوں کی تردید بھی کی اور اپنی غلطیوں کا اعتراف بھی کیا۔[8]

اسی سلسلے میں امام ابو حنیفہؒ کے خلاف جو غلط باتیں مشہور ہوئیں ان میں ایک ان کا ارجاء بھی ہے۔ انہیں مرجئہ کہا گیا ہے[9]۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اس الزام کا تحقیقی جائزہ لیا جائے تاکہ علوم اسلامیہ میں محققین پر امام ابو حنیفہؒ کی زندگی کا یہ پہلو بھی واضح ہو اور انہیں علم ہو سکے کہ ارجاء کیا ہے اور اس جبالِ علم کو کس معنی میں مرجئہ کہا گیا ہے۔

آئندہ آنے والی سطور میں اسی کی کوشش کی گئی ہے چنانچہ اس بحث کے لئے چند فرقوں کے بنیادی عقائد کا جاننا ضروری ہے۔

مسلمانوں میں مذہبی اختلاف کی ابتداء

صحابہ کرامؓ میں حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان اجتہادی امر کی وجہ سے ایک جنگ ہوئی جس میں دونوں طرف مسلمان تھے اس جنگ کو روکنے کے لئے کچھ لوگوں نے کوششیں شروع کر دیں جو طرفین سے حکم بنانے کی صورت میں ظاہر ہوئیں اور جانبین سے اس پر اتفاق ہوا کہ یہ لوگ جو فیصلہ کریں گے فریقین کو قبول ہو گا۔ اس دوران ان لشکروں میں سے ایک جماعت وجود میں آئی جس نے یہ نعرہ لگایا:

ان الحكم الا لله

کہ حکم صرف اللہ کا مانا جائے گا اس گروہ نے یہ کہا کہ جن لوگوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو چھوڑ کر فریقین کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے دو حکم بنائے ہیں، وہ سب کے سب کافر ہیں۔ یہ گروہ تاریخ میں خوارج کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔

"اوّل خلاف حدث في الملة في الفاسق العملي هل هو كافر اَو مؤمن فقالت الخوارج انه كافر وقالت الجماعة مومن وقالت الطائفة المعتزلة هو لا مومن ولا كافر"[10]

مسلمانوں میں جو اختلاف سب سے پہلے رونما ہوا وہ عملاً فاسق کے بارے میں تھا کہ وہ مومن ہے یا کافر، خوارج کہنے لگے کہ کافر ہے اور تمام اہل سنت والجماعت نے کہا کہ وہ مومن ہے اور معتزلہ کہنے لگے کہ نہ وہ مومن ہے اور نہ ہی کافر۔

اس طرح ملت اسلامیہ میں عقائد کی بنیاد پر ہونے والے اس پہلے اختلاف کے داعیوں کو خوارج کہا گیا۔

خوارج

ان کا اہلِ سنت والجماعت کے ساتھ بنیادی اختلاف اس بات پر ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب کافر ہے، عمداً ہو کہ خطأً۔ یہی وجہ ہے کہ حکمین کو قبول کرنے کی وجہ سے حضرت علیؓ کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔[11]

بہر حال خوارج کے اس عقیدے کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اعمال کو ایمان کا جزء قرار دیتے ہیں یعنی وہ اعمال کے بغیر ایمان کو تسلیم نہیں کرتے۔ لہذا اگر کوئی کبیرہ کے ارتکاب سے اعمال میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ کمی نفس ایمان میں ہوئی جس سے وہ دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے۔

معتزلہ

اس گروہ کا ظہور حضرت حسن بصریؒ کے زمانے میں ہوا ان کی مجلس میں واصل بن عطاء نامی ایک شخص حاضر ہوا کرتا تھا اس زمانے میں یہ مسئلہ اٹھا کہ مرتکب کبیرہ کا کیا حکم ہے تو اس نے حضرت حسن بصریؒ

کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والا نہ مسلمان ہے اور نہ ہی کافر بلکہ ایمان و کفر کی درمیانی معتزلہ میں ہے۔ اس کے بعد حسن بصریؒ کے حلقہ درس سے علیحدگی اختیار کر کے اپنا الگ حلقہ قائم کر لیا۔ علامہ شہرستانیؒ اس کے قول کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"قال: إن الإيمان عبارة عن خصال خير إذا اجتمعت سمي المرء مؤمنا وهو اسم مدح. والفاسق لم يستجمع خصال الخير وما استحق اسم المدح، فلا يسمى مؤمنا، وليس هو بكافر مطلقا أيضا، لأن الشهادة وسائر أعمال الخير موجودة فيه"[12]

واصل کہتا تھا کہ ایمان جملہ اعمال خیر کا نام ہے جب کسی شخص میں یہ چیزیں موجود ہوں گی تب وہ مومن ہو گا۔ فاسق میں یہ تمام خصالِ خیر جمع نہیں ہو سکتیں اس لئے اس کو مومن نہیں کہا جائے گا مگر علی الاطلاق کافر بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ کلمۂ شہادت کا قائل ہے اور دوسرے اعمال خیر بھی اس میں موجود ہیں۔

دراصل معتزلہ اعمال خیر کو ایمان کا جزء مانتے ہیں، جب کوئی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ جزء باقی نہ رہتا جس کی وجہ سے ایمان نہ رہا لیکن چونکہ وہ کلمہ شہادت کا بھی قائل ہے اور یہ بھی اعمالِ خیر میں سے ہے لہذا من جملہ اعمالِ خیر پائے بھی جاتے ہیں اور نہیں بھی پائے جاتے، اسی کشمکش میں اسے نہ تو کافر کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی مومن بلکہ وہ کفر اور ایمان کی درمیانی حالت میں ہے۔

مرجئہ

جب دوبارہ گناہ کبیرہ کے مرتکبین کے ایمان کا مسئلہ چھڑا تو خوارج جو پہلے ہی سے ایسے لوگوں کو کافر کہتے تھے اور معتزلہ جو ان سے ایمان کی نفی کر کے ایمان و کفر کے درمیان ایک درجہ ثابت کرنے لگے تھے معتزلہ اور خوارج کے برعکس مرجئہ کا ظہور ہوا جس نے اس بات کو شہرت دی کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ سے کچھ ضرر لاحق نہیں ہوتا ہے جس طرح کفر کی موجودگی میں طاعات اور عبادات بے اثر ہیں اور دعویٰ کرنے لگے کہ ایمان نام تصدیق اور اقرار کا ہے اعتقاد و معرفت کا ہے اور اس ایمان کی موجودگی میں کوئی معصیت ضرر رساں نہیں ہے۔ ایمان و عمل کے رابطے کی بابت کہنے لگے کہ اعمال کو جنت و جہنم کے دخول میں سے کوئی علاقہ اور واسطہ نہیں ہے۔

مرجئہ نے اعمال کو ایمان کی حقیقت اور اس کے اجزاء سے خارج قرار دیا چنانچہ ایمان کی موجودگی میں ارتکابِ کبیرہ کوئی مضر نہیں۔[13]

اہل سنت والجماعت

تمام اہل سنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ آدمی کو گناہ سے ضرور نقصان تو ہوتا ہے مگر اللہ چاہے تو اس پر رحم کرتے ہوئے معاف کردے اور بلا سزا کے جنت میں داخل کردے اور چاہے تو شفاعت وسفارش کے ذریعے مغفرت فرمادے یا اس عمل کے برابر سزا دے کر جنت میں داخل کرے لیکن ایسا شخص ہمیشہ کے لئے جہنمی ہو جائے ایسا نہیں ہوسکتا ہے اس لئے کہ کسی گناہ کے ارتکاب سے کوئی مسلمان، کافر اور ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔

اہل سنت والجماعت نے نہ تو ایمان اور اعمال میں رابطہ منقطع مانا اور نہ اعمال کو ایمان کا جزء لازم قرار دیا بلکہ انہوں نے ایمان کی کاملیت کے لئے اعمال کو شرط قرار دیا کہ اعمال نہ کرنے سے آدمی کافر تو نہیں ہوتا لیکن اسے ایمان کامل بھی حاصل نہیں ہوتا اگرچہ نفسِ ایمان حاصل رہتا ہے۔

امام نووی شرح مسلم میں تحریر کرتے ہیں:

"واعلم أن مذهب أهل السنة وما عليه أهل الحق من السلف والخلف أن من مات موحدا دخل الجنة قطعا على كل حال فإن كان سالما من المعاصي كالصغير والمجنون والذي اتصل جنونه بالبلوغ والتائب توبة صحيحة من الشرك أو غيره من المعاصي إذا لم يحدث معصية بعد توبته والموفق الذي لم يبتل بمعصية أصلا فكل هذا الصنف يدخلون الجنة ولا يدخلون النار أصلا لكنهم يردونها على الخلاف المعروف في الورود والصحيح أن المراد به المرور على الصراط وهو منصوب على ظهر جهنم أعاذنا الله منها ومن سائر المكروه وأما من كانت له معصية كبيرة ومات من غير توبة فهو في مشيئة الله تعالى فإن شاء عفا عنه وأدخله الجنة أولا وجعله كالقسم الأول وإن شاء عذبه القدر الذي يريده سبحانه وتعالى ثم يدخله الجنة فلا يخلد في النار أحد مات على التوحيد ولو عمل من المعاصي ما عمل كما أنه لا يدخل الجنة أحد مات على الكفر ولو عمل من أعمال البر ما عمل هذا مختصر جامع لمذهب أهل الحق في هذه المسألة"[14]

جان لو کہ اہل السنت والجماعت اور اہل حق سلف وخلف ہر ایک کا یہی مذہب ہے کہ جو ایمان پر مرا بہر صورت لازمی طور سے جنت میں جائے گا (جس کی تفصیل یہ ہے کہ) اگر ایسا شخص ہر طرح کے گناہ سے محفوظ ہوا یا دیوانہ و پاگل ہے جس کا جنون بلوغ ہی سے شروع ہو گیا یا کفر شرک اور دیگر ہر طرح کے معاصی سے توبہ کرلیا اور توبہ کے بعد کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا یا ایسا باتوفیق جس نے کبھی گناہ ہی نہیں کیا ان قسموں سے ہر قسم کے لوگ بلا عذاب جنت میں داخل ہوں گے اور جس نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا اور بغیر توبہ کے مر گیا تو وہ

خدا کے اختیار میں ہے چاہے تو اس کو معاف کر کے بلا عذاب جنت میں داخل کر دے اور اس کو قسم اول کے لوگوں میں بنادے یا جس قدر چاہے عذاب دے کر جنت میں داخل کر لے بہر حال جس کا انتقال ایمان پر ہوا ہو ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا چاہے جس قسم کے معاصی کے ارتکاب کئے ہوئے ہو اسی طرح کا کفر پر انتقال ہوا وہ جنت میں نہیں داخل ہو سکتا چاہے جیسا اور جس قدر بھی نیک عمل کر رکھا ہو اس مسئلہ میں اہل حق کا مختصر جامع مذہب ہے۔

اس عبارت میں تمام اہلِ حق کا مذہب یہی بتایا گیا ہے کہ مسلمان گناہ گار جس طرح کا بھی گناہ کیے ہو ایک نہ ایک دن ضرور جنت میں داخل ہو گا اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہ سکتا ہے ایسے لوگوں کے بارے میں خدا چاہے تو ان کو معاف کر کے بلا عذاب جنت میں داخل کر دے اور اگر چاہے تو اپنی مرضی کے مطابق سزا دے کر جنت میں داخل کرے۔ ایسے شخص سے متعلق علامہ سفارینیؒ بھی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"وأما أهل السنة فلم يخرجوه من الإسلام، ولم يحكموا عليه بالخلود في النار، وإنما هو مؤمن بإيمانه، فاسق بكبيرته، وهو في مشيئة اللّٰه تعالى"[15]

(اس قسم کے لوگوں کے بارے میں اختلاف ہے۔) اہل سنت ایسے شخص کو نہ تو اسلام سے خارج کہتے ہیں اور نہ ہی اس پر ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنے کا حکم لگاتے ہیں، وہ اپنے ایمان کی وجہ سے مومن ہے اور گناہ کی وجہ سے فاسق ہے۔ اس کا فیصلہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔

مذکورہ چار مذاہب میں جوھری فرق

مذکورہ چار مذاہب میں اہلِ سنت والجماعت کا موقف درست ہے البتہ ان چاروں میں کیا فرق ہے اس کی توضیح درج ذیل ہے:

- خوارج کے نزدیک مرتکب کبیرہ کافر ہے۔ اعمال ایمان کی حقیقت میں داخل ہیں یعنی اعمال کے بغیر ایمان باقی نہیں رہتا۔
- مرجئہ کے نزدیک مرتکب کبیرہ مومن ہے۔ اعمال ایمان کی حقیقت سے خارج ہیں ایمان کے ساتھ ارتکابِ کبیرہ کوئی مضر نہیں، لہذا جنت و جہنم کا فیصلہ اعمال پر نہیں ایمان پر ہے۔ لہذا ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ ذرابرابر مضر نہیں۔
- معتزلہ کے نزدیک مرتکب کبیرہ نہ مومن ہے نہ کافر۔ جملہ اعمال صالحہ ایمان کی حقیقت میں داخل ہیں

لہذا ارتکابِ کبیرہ سے بندہ نہ مومن رہتا ہے اور نہ کافر ہوتا ہے۔ بلکہ کفر وایمان کی درمیانی حالت میں رہتا ہے۔

- اہلِ حق کے نزدیک مرتکب کبیرہ مومن ہے لیکن گناہ گار مومن ہے۔ اعمال ایمان کی ایسی حقیقت یا جزء نہیں کہ جن کے نہ پائے جانے سے بندہ دائرہ اسلام سے نکل جائے لہذا اعمال ایمان کی کاملیت کے لئے شرط ہے۔

اہل سنت کے اس موقف کی وضاحت امام ابو حنیفہؒ سے

مذکورہ بالا عبارات سے اہلِ سنت کا یہ موقف واضح ہوا کہ ایسے شخص کے بارے میں، جو ایمان رکھتا ہے لیکن ارتکابِ کبیرہ کرتا ہے اور بغیر توبہ کے اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے، جنتی جہنمی ہونے کا قطعی فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی مشیت پر چھوڑ دیا جائے گا کہ اللہ چاہے تو اسے معاف کر دے اور چاہے تو اسے سزا دے۔ دنیا میں اس پر کوئی یقینی حکم نہیں لگے گا۔ امام ابو حنیفہؒ بعینہ اس بات کی وضاحت اور صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وماكان من السيئات دون الشرك ولم يتب عنها حتى مات مومناً فانه في مشية الله ان شاء عذبه وان شاء عفا عنه ولم يعذبه بالنار ابداً"[16]

جس مسلمان نے شرک کے سوا دوسرے گناہ کیے اور اس سے توبہ نہیں کیا مگر ایمان پر مرا تو ایسا شخص خدا کی مشیت کے تحت ہے چاہے تو اس کو عذاب دے چاہے تو اس کو معاف کر دے لیکن اس کو جہنم میں ہمیشگی کا عذاب نہیں دے گا۔

امام ابو حنیفہؒ عثمان بتی کو خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"ومن اصاب الايمان وضيع شيئا من الفرائض كان مومناً مذنباً وكان لله فيه المشية ان شاء عذبه وان شاء غفرله فان عذبه على تضييعه شيئاً فعلى ذنب يعذبه وان غفرله فذنباً يغفره"[17]

یعنی جسے ایمان کی دولت حاصل ہے اور فرائض کی ادائیگی میں کچھ کوتاہی کی ہے تو وہ گناہگار مسلمان ہو گا اور خدا کی مشیت کے تحت ہو گا چاہے تو اس کو عذاب دے اور چاہے تو اس کو معاف کر دے اگر اس کو کسی کوتاہی پر عذاب دے گا تو گناہ پر عذاب دیا اور اگر اس کو معاف کر دے تو گناہ کو معاف کیا۔

امام طحاویؒ کی صراحت

امام طحاویؒ نے عقیدہ الطحاویہ کے نام سے کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے صراحت کی ہے کہ

میں اس کتاب میں امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کے عقائد کو بیان کروں گا وہ اس کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

"لانکفر احدا من اهل القبلة بذنب مالم يستحل له ولا نقول لا يضر مع الايمان ذنب لمن عمله ونرجو من المحسنين من المؤمنين ان يعفو عنهم ويدخلهم الجنة برحمته ولا نأمن عليهم وتشهد لهم بالجنة ونستغفر لمسيئهم ونخاف عليهم ولا نقنطهم" [18]

کسی مسلمان کو کسی ایسے گناہ کے ارتکاب پر جس کو حلال نہ سمجھ کر کیا ہوا اس کی تکفیر نہیں کرتے اور اس کے ساتھ یہ بھی نہیں کہتے کہ ایمان کے بعد گناہ گار کو گناہ نقصان نہیں دیتا اور نیکوکار مسلمانوں کے لئے خدا کی ذات سے امید رکھتے ہیں کہ ان کو درگذر کرے گا اور اپنی رحمت سے ان کو جنت میں داخل کرے گا لیکن ان کے بارے میں بالکل بھی بے خوف بھی نہیں ہیں اور ان کے لئے جنت میں داخل ہونے کی شہادت بھی نہیں دے سکتے اور ہم ان گناہ گار مسلمانوں کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں اور ان کے بارے میں ڈرتے رہتے ہیں لیکن ان کو بالکلیہ مایوس بھی نہیں کرتے۔

امام بخاریؒ کی صراحت

صحیح بخاری میں امام بخاریؒ نے اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے باقاعدہ عنوان قائم کیا ہے کہ

"المعاصى من امر الجاهلية ولا يكفر صاحبها بارتكابها الا بالشرک بقول النبى ﷺ وانک امر فيک جاهلية بقول الله تعالىٰ : ان الله لايغفر ان يشرک به ويغفر ما ذون ذلک" [19]

گناہ جاہلانہ عمل ہے اور گناہگار کی کسی گناہ سے سوائے شرک کے، تکفیر نہیں کی جائے گی، حدیث: تو ایک ایسا آدمی ہے کہ تجھ میں جاہلیت ہے اور اللہ کے قول: ان الله لايغفر ان يشرک به کی وجہ سے۔

اس باب کو مقرر کرنے کا مقصد دراصل خوارج کی تردید ہے۔ شارح ابن بطال فرماتے ہیں:

"وغرض البخارى فى هذا الباب الرد على الرافضية والإباضية وبعض الخوارج فى قولهم: إن المذنبين من المؤمنين يخلدون فى النار بذنوبهم، وقد نطق القرآن بتكذيبهم فى غير موضع منه، فمنها قوله تعالى: (إِنَّ اللّٰهَ لاَ يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاء) [النساء: 48] ، والمراد بهذه الآية من مات على الذنوب" [20]

اس باب سے امام بخاری کا مقصد روافض، اباضیہ اور ان خوراج کا رد کرنا ہے جو کہتے ہیں کہ گناہگار مومن توبہ کئے بغیر مر اوہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، قرآن کریم کئی مقامات پر اس کی تردید کرتا ہے ان میں ایک باری تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے کہ " اِنَّ اللہَ لَایَغْفِرُ اَنْ یُشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُونَ ذٰلِکَ لِمَن یَشَاء " اس آیت سے مراد ایسا شخص ہے جو (کفر و شرک کے علاوہ) کسی گناہ پر مرا ہو۔

اہل حق کے مذہب کا خلاصہ

تمام سلف اور اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ اعمال ایمان کے وجود و تحقق کے لئے لازم نہیں ہیں اور ان کی نفی سے ایمان کی نفی نہیں ہو گی اور ایسا شخص مومن رہے گا مگر ناقص مومن رہے گا گناہگار مومن ہو گا۔

اہل حق کے موقف کا خلاصہ دو اہم باتیں ہیں:

- مرتکب کبیرہ کافر نہیں۔
- اعمال صالحہ ایمان کے بعد ضروری ہیں۔

پہلی بات ''مرتکب کبیرہ کافر نہیں'' کی بنیاد اس پر ہے کہ ایمان کی حقیقت میں اعمال داخل نہیں۔

دوسری بات ''اعمالِ صالحہ ایمان کے بعد ضروری ہیں'' کی بنیاد اس پر ہے کہ ایمان کی کاملیت اعمال پر موقوف ہے۔

پہلی بات کے مخالف پر خوراج اور معتزلہ ہیں جنھوں نے مرتکب کبیرہ کو دائرہ اسلام سے خارج تسلیم کیا کیونکہ وہ اعمال کو ایمان کی حقیقت و وجود میں جزء تسلیم کرتے ہیں۔

دوسری بات کے مخالفت مرجئہ نے کی جنہوں نے ایمان کے بعد اعمال کی حیثیت کو تسلیم نہیں کیا اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ وہ اعمال کو ایمان کی حقیقت سے خارج مانتے ہیں۔

اہلِ حق میں تفسیر و تعبیر کا اختلاف

اہل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ اعمال ایمان کے وجود و تحقق کے لئے ضروری نہیں اور ان کی نفی سے ایمان کی نفی نہیں ہوتی ۔ لیکن اس نفسِ مسئلہ میں اتفاق کے بعد ایمان اور عمل کے باہمی تعلق کی تفسیر میں اندازِ بیان کا اختلاف ہو گیا جس کی وجہ سے اور اہلِ حق کی دو طرح کی مختلف تعبیرات وجود میں آئیں۔

سلف اور محدثین کی اختیار کردہ تعبیر کو بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

''فالسلف قالوا هوا اعتقاد بالقلب ونطق باللسان وعمل بالاركان وارادوا بذالك ان الاعمال شرط فی كماله''[21]

سلف قلبی اعتقاد اور زبانی اقرار اور اعضاء وجوارح کے عمل کے مجموعے کو ایمان کہتے ہیں اور ان لوگوں کی مراد اس سے یہ ہے کہ اعمال ایمان کے کمال کے لئے شرط ہیں۔

علامہ جلال الدین دوانیؒ اسی مضمون کی تشریح کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:

"وتفصيل المقام ان ههنا اربعة احتمالات....الاوّل ان يجعل الاعمال جزءاً من حقيقة الايمان داخلاً فى قوام حقيقته حتى يلزم من عدمها عدمه وهو مذهب المعتزلة والثانى ان تكون اجزاء عرفية للايمان فلايلزم من عدمها عدمه كما يعد فى العرف الشعر والظفر واليد والرجل اجزاء لزيد مثلاً ومع ذالک لا يقال: بانعدام زيد بانعدام أحد هذه الامور كالاغصان والاوراق للشجرة --- -- يقال تنعدم بانعدامها وهذا مذهب السلف" [22]

ایمان میں مذہب کی تفصیل یہ ہے کہ اعمال کے بارے میں چار احتمال ہیں پہلا احتمال اعمال کو ایمان کی حقیقت کا جزء قرار دیا جائے ایمان کی حقیقت میں داخل مانا جائے اس طرح سے کہ اس جزء کے معدوم ہونے سے ایمان معدوم ہو جائے اور یہ معتزلہ کا مذہب ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اعمال ایمان کے اجزاء عرفیہ ہوں کہ اعمال کے معدوم ہونے سے ایمان معدوم نہ ہو جیسا کہ عرف میں زید کا بال، اس کا ناخن، ہاتھ پیر مثلاً زید کے اجزاء ہیں اس کے باوجود نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں سے کسی ایک کے معدوم ہونے سے زید معدوم ہو گیا یا جیسے کسی درخت کے پتے اور اس کی شاخیں ہوں جو درخت کے اجزاء شمار کیے جاتے ہیں لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ ان کے معدوم ہونے سے درخت معدوم ہو گیا۔

سلف کا اندازِ تعبیر اور معتزلہ سے مشابہت

سلف کی اس تعبیر کے مطابق ایمان" قلبی اعتقاد، زبانی اقرار اوراعضاء وجوارح کے عمل کے مجموعے" کو کہا جائے گا، اس سے ظاہری طور پر یوں معلوم ہوتا ہے کہ سلف نے اعمال کو ایمان کا جزء قرار دے دیا۔ اور یہی معتزلہ کا مذہب ہے۔ لیکن محدثین کی تصریح کے مطابق سلف کی تعبیر میں اعمال کو جو جزء قرار دیا جارہا ہے۔ یہ ایسا جزء ہے کہ جس کے معدوم ہونے سے اصل معدوم نہیں ہوتا۔ جیسے انسان کا ناخن بال وغیرہ۔

سلف اور معتزلہ اعمال کو ایمان کا جزء قرار دیتے ہیں لیکن جزء کے مفہوم میں دونوں میں جوہری فرق پایا جاتا ہے۔ سلف جس مفہوم میں اعمال کو ایمان کا جزء قرار دیتے ہیں وہ اہلِ سنت کے موقف کے خلاف نہیں ہے۔

متکلمین، فقہاء اور امام ابو حنیفہؒ کی اختیار کردہ تعبیر

متکلمین، فقہاء اورامام ابو حنیفہؒ ایمان اوراعمال کے باہمی تعلق کو بیان کرنے کے لئے جزء کا لفظ استعمال نہیں کرتے اگرچہ ایمان کے کمال کے لئے عمل کوواجب کہتے ہیں، اس کی تشریح کرتے ہوئے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں:

"من ارادالآخرة وسعى لها سعيها وهو مومن"

جو شخص آخرت کے ثواب کی نیت رکھے اوراس کے لئے جیسی کوشش کرنی چاہیئے ویسی کوشش کرے بشرطیکہ وہ مومن بھی ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل کو الگ الگ کر دیا ہے کہ لوگ پہلے ایمان لائے پھر تقاضائے ایمان کے مطابق عمل کئے۔ اہلِ ایمان ایمان کی وجہ سے نماز، روزہ حج وغیرہ انجام دیتے ہیں نہ کہ ان چیزوں کی وجہ سے مومن ہوئے۔[23]

امام ابو حنیفہؒ عثمان بتی کو خط میں تحریر فرماتے ہیں:

حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے لوگ مشرک تھے آپ نے لوگوں کو ایمان کی دعوت دی جس کسی نے اس دعوت کو قبول کیا اوراس کا اقرار کیا وہ شخص اسلام میں داخل ہوا کفر و شرک سے بری ہوا اس کا خون مسلمانوں پر حرام ہو گیا اس کے بعد فرائض اور مسلمانوں کے حقوق کے بارے میں آیات کا نزول ہوا اور ایمان کے ساتھ اعمال بھی ضروری ہوگئے۔۔۔۔لیکن اعمال کی کوتاہی سے تصدیق وایمان کا ضیاع لازم نہیں آتا ہے۔[24]

محقق دوانیؒ اس تعبیر کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الاحتمال الثالث ان تجعل الاعمال آثاراً خارجة عن الایمان مسببة له ویطلق علیہا لفظ الایمان مجازاً"[25]

تیسرا احتمال کہ اعمال ایمان کا نہ جزء حقیقی ہو نہ جزء عرفی ہو، ایمان کی حقیقت سے خارج ہو، (اعمال) اس ایمان کے آثار ہو، (ایمان) ان کے لئے اعمال کا باعث ہو۔ اوراعمال پر ایمان کا اطلاق مجازی ہو۔

اس تعبیر میں اور سلف کی تعبیر میں صرف لفظی فرق ہے جیسا کہ علامہ دوانیؒ فرماتے ہیں:

"لا مخالفة بینه وبین الاحتمال الثانی الا بان یکون اطلاق اللفظ علیہا حقیقة او مجازاً وھو بحث لفظی"[26]

دوسرے اور تیسرے احتمال کے درمیان کوئی مخالفت نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ دوسرے احتمال کی بنیاد پر اعمال پر ایمان کا اطلاق بطور حقیقت کے ہو گا اور تیسرے احتمال پر ایمان کا اطلاق بطورِ مجاز کے ہو گا اور یہ ایک لفظی اور لغوی بحث ہے کوئی شرعی بحث نہیں۔

امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے ائمہ کے درمیان اختلاف کی حقیقت

علامہ صدر الدین علی بن علی بن محمد فرماتے ہیں:

"والاختلاف الذين بين ابى حنيفة والائمة الباقين من اهل السنة اختلاف صورى فان كون اعمال الجوارح لازمة لايمان القلب او جزء من الايمان مع الاتفاق على ان مرتكب الكبيرة لايخرج من الايمان بل هو مشيئة الله ان شاء عذبه وان شاء عفا عنه نزاع لفظى لايترتب عليه فساد اعتقاد"[27]

اور ایمان کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ اور دیگر ائمہ اہلِ سنت کے درمیان جو اختلاف ہے وہ محض صوری ہے یعنی لفظی اختلاف ہے۔ حقیقی نہیں ہے اس لئے کہ اعمال جوارح یا تو لازم ایمان ہیں یا ایمان کا جزء لیکن اس اتفاق کے ساتھ کے مرتکب کبیرہ ایمان سے نہیں نکلتا بلکہ وہ اللہ کی مشیئت کے تحت ہے چاہے تو وہ اس کو عذاب دے اور چاہے تو معاف کر دے غرضیکہ یہ صرف لفظی اختلاف ہے جس سے عقیدے میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔

فقہاء کی تعبیر اور مرجئہ سے مشابہت

فقہاء وامام ابو حنیفہؒ نے ایمان کے بارے میں جو تعبیر اختیار کی جس میں ایمان " قلبی اعتقاد اور زبانی اقرار" کو کہتے ہیں، اس سے ظاہری طور پر یوں مترشح ہوتا ہے کہ فقہاء و متکلمین نے اعمال کو ایمان سے خارج قرار دے دیا۔ جبکہ یہ مذہب مرجئہ کا ہے۔ اسی وجہ سے متکلمین نے اس کی صراحت کی کہ متکلمین کی تعبیر میں اعمال کو جو ایمان سے خارج قرار دیا جارہا ہے یہ اس معنی میں خارج نہیں قرار دیا جارہا جس معنی میں مرجئہ اعمال کو ایمان سے خارج کہتے ہیں، کیونکہ مرجئہ ایمان کے بعد عمل کے بے ضرر قرار دیتے ہیں جبکہ متکلمین کے نزدیک اعمال ایمان کے لئے شرط ہیں اور ایمان کے کامل ہونے کے لئے ضروری ہیں۔

متکلمین اور مرجئہ اعمال کو ایمان سے خارج قرار دیتے ہیں لیکن خارج کے مفہوم میں دونوں میں بڑا جوہری فرق ہے۔ متکلمین جس مفہوم میں اعمال کو ایمان سے خارج قرار دیتے ہیں وہ اہلِ سنت کے موقف کے خلاف نہیں ہے۔

اہل حق کی دو مختلف تعبیرات اور خوارج اور مرجئہ سے اشتباہ

سلف کی اختیار کردہ تعبیر ظاہراً معتزلہ کے مشابہ ہے اور امام ابو حنیفہؒ، متکلمین وفقہاء کی اختیار کردہ تعبیر مرجئہ کے مشابہ ہے۔ لیکن دونوں میں بڑا جوہری فرق ہے۔ جس کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔ جس طرح ظاہری مشابہت سے سلف کی اختیار کردہ تعبیر پر انہیں معتزلہ نہیں کہا جاسکتا اسی طرح امام ابو حنیفہؒ کی اختیار کردہ تعبیر پر انہیں مرجئہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔

امام ابو حنیفہؒ اور مرجئہ کے مذاہب میں فرق

امام ابو حنیفہؒ اور مرجئہ دونوں میں اتنی بات پر تو اتفاق ہے کہ عمل ایمان کا جز نہیں جس کی وجہ سے دونوں کے نزدیک مرتکبِ کبیرہ کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کہتے۔ لیکن ایک بنیادی فرق کی وجہ سے یہ دونوں مذاہب بالکل متضاد ہو جاتے ہیں۔ مرجئہ کہتے ہیں کہ ایمان کے بعد اعمال کی ضرورت ہی نہیں جیسے کفر کے ساتھ طاعات اور عبادات کا کوئی فائدہ نہیں اسی طرح ایمان کے ساتھ معاصی کا کوئی نقصان نہیں، جنت جہنم میں جانے کا مدار اعمال پر نہیں ہے[28] لیکن امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ اعمال ایمان کا جزء تو نہیں لیکن ایمان کے لئے شرط ہیں۔ ایمان کے بعد اس کی کاملیت کے لئے اعمال ضروری ہیں۔ ارتکابِ کبیرہ سے بندہ گناہگار ہوتا ہے البتہ اس کا معاملہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے یعنی اگر یہ بغیر توبہ کے مر جائے تو اللہ تعالیٰ کی مرضی چاہے تو اسے معاف کر دے اور چاہے تو اس کو اس کے گناہوں کی وجہ سے سزا دے۔ لہذا عام حالات میں جنت جہنم کا فیصلہ اعمال پر ہو گا البتہ اگر کوئی اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں جائے گا تو وہ ایمان کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہیں رہے گا بلکہ اپنے گناہوں کی سزا پا کر جہنم سے نکل جائے گا۔ دنیا میں ان کے جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس بارے میں توقف اختیار کیا جائے گا اور ان کا معاملہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے موخر کر دیا جائے گا۔[29]

ارجاء کا اصل معنی اور امام ابو حنیفہؒ

ارجاء کا ایک اصل معنی "تاخیر" اور "مہلت دینا" ہے چنانچہ علامہ عبدالکریم شہرستانیؒ اس کی تفصیل میں فرماتے ہیں:

"الارجاء على معنين احدهما التاخير قالو ا ارجه واخاه اى امهله واخره والثانى اعطاء الرجاء"[30]

ارجاء کے دو معنی آتے ہیں ایک تاخیر کرنا (قرآن پاک میں ہے) قالوا ارجه واخاه (انہوں نے کہا کہ موسیٰ اور ان کے بھائی کو مہلت دے یعنی ان کے بارے میں فیصلہ کرنے میں تاخیر سے کام لینا چاہئے) اور دوسرا معنی امید دلانا ہے (یعنی صرف ایمان پر نجات کلی کی امید رکھنا کہ ایمان کے ہوتے ہوئے معاصی کچھ ضرر نہیں)

امام ابو حنیفہؒ مرتکب کبیرہ کو کافر نہیں کہتے اور دنیا میں اس پر کوئی قطعی حکم نہیں لگاتے بلکہ اللہ کی مشیت پر چھوڑتے ہیں چاہے تو معاف کرے چاہے تو عذاب دے۔ یہ نہیں کہتے کہ یہ جنتی ہے یا جہنمی[31]۔ یہی مذہب در حقیقت محدثین کا ہے لیکن وہ لفظی اعتبار سے اس کی وضاحت نہیں کرتے جبکہ امام ابو حنیفہؒ اس کو

واضح بیان کرتے ہیں۔ گویا امام ابو حنیفہؒ مرتکب کبیرہ پر حکم میں تاخیر کرتے ہیں لہذا امام ابو حنیفہؒ اور دیگر محدثین کو مرجئہ کہا گیا ہے۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

"ثم اعلم ان القونوی ذکر ان ابا حنیفة کان یسمیٰ مرجئا لتاخیره امر صاحب الکبیرة الی مشیة الله والارجاء التاخیر"[32]

پھر معلوم رہے کہ قونونی نے ذکر کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کو بھی مرجئہ کہا جاتا تھا کیونکہ وہ مرتکب کبیرہ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف رکھتے تھے اور ارجاء کے معنی ہی موئخر کرنے کے ہیں۔

علامہ شہرستانی ان کا ذکر کرتے ہوئے امام ابو حنیفہؒ کے علاوہ جن محدثین پر ارجاء کی تہمت لگائی گئی، فرماتے ہیں:

"تتمة رجال المرجئة كما نقل: الحسن بن محمد بن علي بن أبي طالب، وسعيد بن جبير، وطلق بن حبيب، وعمرو بن مرة، ومحارب بن زياد، ومقاتل بن سليمان، وذر، وعمرو بن ذر، وحماد بن أبي سليمان، وأبو حنيفة، وأبو يوسف، ومحمد بن الحسن، وقديد بن جعفر. وهؤلاء كلهم أئمة الحديث، لم يكفروا أصحاب الكبائر بالكبيرة، ولم يحكموا بتخليدهم في النار خلافا للخوارج والقدرية."[33]

حسن بن محمد بن علیؓ بن ابی طالب، سعید بن جبیر، طلق بن حبیب، عمرو بن مرۃ، محارب بن زیاد، مقاتل بن سلیمان، ذر، عمرو بن ذر، حماد بن ابی سلیمان، ابو حنیفہ، ابویوسف، محمد بن حسن اور قدید بن جعفر یہ سارے لوگ ائمہ محدثین ہیں یہ مرتکب کبیرہ کو کافر نہیں کہتے اور نہ ان کے لئے کہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنے کا قول کرتے ہیں برخلاف خوارج اور قدریہ کے۔

امام ابو حنیفہؒ اور مرجئہ ضالہ کے ارجاء میں فرق

یہ بات واضح ہوئی کہ امام ابو حنیفہؒ کو جس معنی میں مرجئہ کہا جاتا تھا وہ ارجاء مذموم نہیں تھا بلکہ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ جیسا کہ ملا علی قاریؒ یہ فرق بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فاین هذا الارجاء عن ذالک الارجاء"[34]

پس اس ارجاء (یعنی اہلِ بدعت کا ارجاء) اور اُس ارجاء (امام صاحب کے ارجاء) میں کیا نسبت۔

امام ابو حنیفہؒ سے ارجاء ضالہ کی نفی

امام ابو حنیفہؒ اپنے اس عقیدے کہ مرتکب کبیرہ کافر نہیں اور نہ ہی مومن فاسق ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا یا بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل ہو جائے گا بلکہ اس کا معاملہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی

مشیت پر موقوف ہے، بیان کرنے کے بعد مرجئہ ضالہ کے عقیدے (ایمان کے بعد اعمال کی ضرورت نہیں) کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ولا نقول حسناتنا مقبولة وسيآتنا مغفورة كقول المرجئة"[35]

اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہماری تمام نیکیاں مقبول ہیں اور تمام گناہ معاف ہیں جیسا کہ مرجئہ کا عقیدہ ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کو مرجئہ کہنے والوں میں فرق

امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں دو طرح کے لوگوں سے مرجئہ کا قول منقول ہے:

- ایک اہل بدعت
- دوسرا اہلِ سنت

اہلِ بدعت کا امام ابو حنیفہؒ کو مرجئہ کہنا

اہل بدعت کیوں آپ کو مرجئہ کہتے تھے اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے:

"ومن العجيب أن غسان كان يحكي عن أبي حنيفة رحمه الله مثل مذهبه، ويعده من المرجئة، ولعله كذب كذلك عليه، لعمري! كان يقال لأبي حنيفة وأصحابه مرجئة السنة"[36]

تعجب کی بات ہے کہ غسان بھی اپنے مذہب کو امام صاحب کا سا مذہب ظاہر کرتا تھا اور امام صاحب کو بھی مرجئہ میں شمار کرتا تھا غالباً یہ جھوٹ ہے مجھے زندگی عطا کرنے والے کی قسم کہ ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کو تو مرجئہ السنۃ کہا جاتا تھا۔

اسی غسان کے بارے میں علامہ عضد الدین فرماتے ہیں:

"وغسان كان يحكيه أي القول بما ذهب إليه عن أبي حنيفة ويعده من المرجئة وهو افتراء عليه قصد به غسان ترويج مذهبه بموافقة رجل كبير مشهور"[37]

غسان مرجی اپنے اقوال کو امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کرتا تھا اور امام ابو حنیفہؒ کو مرجی کہتا تھا جو سراسر جھوٹ اور افتراء ہے امام صاحب کی طرف نسبت کرنے کا مقصد اپنے مذہب کی ترویج و اشاعت تھی۔

اسی طرح معتزلہ اور خوارج بھی اپنے مخالفین پر ارجاء کا الزام لگایا کرتے تھے جیسا کہ علامہ شہرستانی فرماتے ہیں:

"والمعتزلة كانوا يلقبون كل من خالفهم في القدر مرجئا، وكذلك الوعيدية من

الخوارج"[38]

اس سے مزید وضاحت کے ساتھ علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

"اشتهر من مذهب المعتزلة ان صاحب الكبيرة بدون التوبة مخلد فى النار وان عاش على الايمان والطاعة مائة سنة ولم يفرقه بين ان تكون الكبيرة واحدة او كثيرة واقعة قبل الطاعات أو بعدها أو بينها وجلعوا عدم القطع بالعقاب وتفويض الامر الى الله يغفر ان شاء ويعذب ان شاء على ما هو مذهب باهل الحق ارجاء بمعنى انه تاخير للأمر وعدم جزم بالعقاب والثواب وبهذا الاعتبار جعل ابوحنيفة وغيره من المرجئة"[39]

معتزلہ کا مشہور مذہب ہے کہ مرتکب کبیرہ بغیر توبہ کے مرا تو ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اس کے مقابل میں جو لوگ عذاب کا قطعی حکم نہیں لگاتے اور خدا کی مشیت کے حوالے کرتے کہ اللہ چاہے تو معاف کردے چاہے عذاب دے اس عقاب وثواب کے قطعی حکم نہ لگانے کو وہ لوگ ارجاء کہتے تھے اور اسی اعتبار سے ابو حنیفہ وغیرہ کو مرجئہ قرار دیا گیا۔

ان عبارات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اہل بدعت میں سے خوارج ومعتزلہ اپنے مخالفین کے لئے ارجاء کا الزام لگاتے تھے اور مرجئہ امام ابو حنیفہؒ کی مقبولیت اوران کے متبعین کی کثرت کی وجہ سے لوگوں میں مقبولیت حاصل کرنے کے لئے اوراپنے مسلک کی اشاعت کے لئے امام اعظمؒ کا نام استعمال کرتے تھے اوراپنے غلط مذہب کو امام اعظمؒ کی طرف منسوب کرتے تھے۔

اہل سنت کا امام ابو حنیفہؒ کو مرجئہ کہنا

بعض محدثین اور اہل حق علماء سے بھی امام ابو حنیفہؒ کو مرجئہ کہنا منقول ہے جس کی بہترین توجیح یہ ہے کہ یہ حضرات امام ابو حنیفہؒ کو مرجئہ، مرجئہ السنہ کے معنی میں کہتے تھے، یعنی ارجاء ضالہ کے مد مقابل امام ابو حنیفہؒ کا مذہب کہ مرتکب کبیرہ پر دنیا میں حکم پر توقف کیا جائے گا اورآخرت میں اللہ پر چھوڑ دیا جائے گا کہ اللہ چاہے تو بخش دے چاہے تو عذاب دے۔ ہم دنیا میں اس پر کوئی حکم نہیں لگاتے۔ اس معنی میں امام ابو حنیفہؒ کو مرجئہ کہا گیا ہے۔

حافظ عبد البر مالکیؒ کا امام ابو حنیفہؒ پر ارجاء کا الزام لگانے والوں کے بارے میں موقف

جن لوگوں نے امام ابو حنیفہؒ پر ارجاء کا الزام لگایا، ان کے بارے میں علامہ عبد البر مالکیؒ فرماتے ہیں:

"ونقموا أيضا على أبي حنيفة الإرجاء، ومن أهل العلم من ينسب إلى الإرجاء كثير لم يعن أحد بنقل قبيح ما قيل فيه كما عنوا بذلك في أبي حنيفة لإمامته، وكان أيضا مع

هذا يحسد وينسب إليه ما ليس فيه ويختلق عليه ما لا يليق به وقد أثنى عليه جماعة من العلماء وفضلوه"[40]

بعض محدثین نے امام ابو حنیفہ پر ارجاء کا بھی الزام لگایا ہے حالانکہ اہلِ علم میں ایسے لوگ کثرت سے پائے جاتے ہیں جن کو مرجئہ کہا گیا ہے لیکن آپ سے بغض وعداوت کی وجہ سے آپ کی طرف ایسی باتیں منسوب کی گئیں جن سے آپ کا دامن کلی طور پر پاک تھا۔

امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے اس اعتراض کا جواب

امام ابو حنیفہؒ، عثمان بتی کے نام لکھے گئے ایک خط میں اپنے اوپر لگائے گئے اس الزام کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اما ماذكرت من اسم المرجئة فما ذنب قوم تكلموا بعدل وسماهم اهل البدع بهذا الاسم ولكنهم اهل العدل والسنة وانما هذا اسم سماهم به اهل شنان"[41]

رہی مرجئہ کی بات جس کا تم نے تذکرہ کیا ہے تو ایسی جماعت کا کیا قصور ہے جنھوں نے ایک درست بات کہی اور اہلِ بدع نے انہیں مرجئہ کا نام دے دیا حالانکہ وہ لوگ اہلِ عدل واہلِ سنت ہیں۔ اور یہ نام تو انہیں بغض کی وجہ سے دیا گیا۔

غنیۃ الطالبین کی عبارت اور امام ابو حنیفہؒ کا ارجاء

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں امت محمدیہ کے تہتر فرقوں میں منقسم ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان تہتر فرقوں میں دس فرقے بنیادی ہیں۔ پھر ان بنیادی فرقوں میں مرجئہ کے تذکرہ میں تحریر کیا کہ یہ وہ بارہ فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں ان میں سے ایک حنفیہ ہیں:

"واما الحنفية فهم اصحاب ابى حنيفة نعمان بن ثابت زعموا ان الايمان هو المعرفة والاقرار بالله ورسوله وبماجاء من عنده جملة على ما ذكره البرهوتى فى كتاب الشجرة"[42]

مذکورہ عبارت سے امام ابو حنیفہؒ کا مرجئہ ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس عبارت میں شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے امام ابو حنیفہؒ کو مرجئہ نہیں کہا بلکہ ان کے "اصحاب" کا ذکر کیا ہے اور غنیۃ الطالبین کے کئی نسخوں میں "اصحاب" سے پہلے "بعض" کا لفظ بھی موجود ہے۔ اس عبارت سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں:

ا) شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے امام ابو حنیفہؒ کو مرجئہ نہیں کہا بلکہ انہوں نے اپنی اسی کتاب میں دوسرے مقامات میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کا تذکرہ "امام ابو حنیفہ" کہہ کر کیا ہے، دوسرے ائمہ کے ساتھ امام ابو حنیفہ کے

مذہب کو ذکر کرنا ان کے اہلِ حق ہونے کی دلیل ہے۔

۲) اگر مذکورہ عبارت کو ایسے ہی رکھا جائے اور ''بعض'' کا لفظ نہ بھی ہو تو بھی اس سے امام ابو حنیفہؒ کے پیروکاروں میں سے بعض لوگوں کا مرجئہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ امام ابو حنیفہؒ کے لئے مذموم بھی نہیں کیونکہ حنفی تو اس کو کہا جاتا ہے جو فروعی مسائل میں امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کرتا ہو، عقائد کے باب میں ان کے موافق ہو یا نہ ہو، بہت سے لوگ فروعی مسائل میں حنفی ہیں مگر عقائد کے اعتبار سے وہ معتزلی ہیں جیسے ''جار اللہ زمخشری'' مصنف کشاف، ''القنیۃ'' کا مصنف، ''الحاوی'' کا مصنف، ''المجتبیٰ'' کا مصنف اور اسی طرح عبد الجبار ابو ہاشم جبائی وغیرہ۔ یہ سب حنفی ہونے کے ساتھ ساتھ معتزلی ہیں۔ بالکل اسی طرح کچھ ایسے حنفی بھی ہو سکتے ہیں جو مرجی ہوں جن کا تذکرہ غنیۃ الطالبین میں کیا گیا۔ لیکن جس طرح ان کے معتزلی ہونے سے امام ابو حنیفہؒ کا معتزلی ہونا ثابت نہیں ہوتا اسی طرح ان کے پیروکاروں میں سے کسی کے مرجئہ ہونے سے امام ابو حنیفہؒ کا مرجئہ بدعۃ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

نتائج البحث

مذکورہ بالا بحث سے درج ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

- خوارج، معتزلہ اعمال کو ایمان کا جزء حقیقی جبکہ مرجئہ اعمال کو ایمان سے خارج تسلیم کرتے تھے۔
- اہل سنت کا مذہب ایمان کی حقیقت میں اعمال شامل نہیں لیکن اعمال ایمان کے لئے لازم اور شرط ہیں۔
- ایمان اور اعمال کے باہمی ربط کے لئے محدثین کی اختیار کردہ تعبیر خوارج اور معتزلہ کے مشابہ ہے۔ لیکن دونوں مذاہب میں جوہری فرق پایا جاتا ہے۔
- امام ابو حنیفہؒ اور فقہاء کی ایمان اور اعمال کے باہمی ربط کے لئے اختیار کردہ تعبیر مرجئہ کے مشابہ ہے لیکن دونوں میں بڑا جوہری فرق ہے۔
- محدثین اور فقہاء کی تعبیرات کا اختلاف لفظی اور صوری ہے حقیقی نہیں۔
- امام ابو حنیفہؒ کو مرجی، مرجئہ ضالہ کے عقائد کی وجہ سے نہیں بلکہ ظاہری مشابہت کی وجہ سے کہا گیا۔
- امام ابو حنیفہؒ کو مرجئہ مشہور کرنے والے اہلِ بدعت اپنے مذہب کی ترویج چاہتے تھے۔
- امام ابو حنیفہؒ پر ارجاء کا الزام حسد، بغض یا اصل مسئلہ سے عدم واقفیت کی بناء پر لگایا گیا۔
- غنیۃ الطالبین کی عبارت سے قطعاً امام ابو حنیفہؒ کا مرجئہ میں سے ہونا معلوم نہیں ہوتا۔
- کسی کا حنفی ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ عقائد میں بھی امام ابو حنیفہؒ کا مقلد ہو۔ حنفی ہونے کے لئے

صرف فروعی مسائل میں مقلد ہونا کافی ہے۔ جیسے علامہ زمخشری وغیرہ تلک عشرۃ کاملۃ

حواشی

[1]محمد معین، دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب، ص:288-289، مطبوعہ لاھور

[2]ابن تیمیہ، تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم، منھاج السنۃ النبویہ، ج:2، ص:619، المحقق: محمد رشاد سالم الناشر: جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية الطبعة: الأولى، 1406ھ - 1986م

[3] شیرازی، أبو اسحاق إبراهيم بن علي بن يوسف الشيرازي، اللمع فی اصول الفقہ، ص:77، باب القول في الجرح والتعديل، مطبوعہ: الناشر: دار الكتب العلمية الطبعة: الطبعة الثانية 2003م - 1424ھ۔

[4]ابن عبد البر، أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمري القرطبي، جامع بيان العلم وفضله، ج:2، ص:1094، تحقيق: أبي الأشبال الزهيري، الناشر: دار ابن الجوزي، المملكة العربية السعودية الطبعة: الأولى، 1414ھ - 1994م

[5]بخاری، محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح بخاری، ج:5، ص:107، الناشر: دار طوق النجاة الطبعة: الأولى، 1422ھ۔

[6]عسقلانی، أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني، تهذيب التهذيب، ج:10، ص:,462 الناشر: مطبعة دائرة المعارف النظامية، الهند الطبعة: الطبعة الأولى، 1326ھ۔

[7]شعرانی، عبد الوھاب الشعرانی، المیزان الکبریٰ للشعرانی، ج:1، ص:72، 71

[8]ابن حجر، شہاب الدین احمد بن حجر المکی، الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان، ص:34، مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر

[9]ابن عبد البر، جامع بیان العلم وفضلہ، ج:2، ص:1082

[10]السفاريني، محمد بن أحمد بن سالم السفاريني الحنبلي، لوائح الأنوار السنية ولوائح الأفكار السنية، ج:2، ص:274، الناشر: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع، الرياض-المملكة العربية السعودية، الطبعة: الأولى، 1415ھ - 1994م

[11]اشعری، أبو الحسن علي بن إسماعيل بن إسحاق، مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين، ص:86، الناشر: دار فرانز شتايز، بمدينة فيسبادن (ألمانيا)، الطبعة: الثالثة، 1400ھ - 1980م

[12]شہرستانی، أبو الفتح محمد بن عبد الكريم بن أبى بكر أحمد الشهرستاني، ج:1، ص:48، الناشر: مؤسسة الحلبي

[13]اشعری، مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين، ملخص از ص:132 تا 154

[14]نووی، أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي، المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، ج:1، ص:217، الناشر: دار إحياء التراث العربي–بيروت، الطبعة: الثانية، 1392

[15]ابن سفارینی، لوائح الأنوار السنية ولوائح الأفكار السنية، ج:2، ص:275

[16] ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت، الفقه الأكبر، ص:49، الناشر: مكتبة الفرقان - الإمارات العربية، الطبعة: الأولى، 1419هـ - 1999م / ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت، الفقہ الاکبر، ص:69، تحقیق: محمد زاھد الکوثری (مجموعۃ رسائل ابی حنیفۃ)، الناشر: المکتبۃ الازھریۃ للتراث، مصر

[17] ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت، رسالۃ ابی حنیفۃ الی عثمان البتی عالم البصرۃ، ص:39، تحقیق: محمد زاھد الکوثری (مجموعۃ رسائل ابی حنیفۃ)، الناشر: المکتبۃ الازھریۃ للتراث، مصر

[18] طحاوی، ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی، العقیدۃ الطحاویہ، ص:21، الناشر: دار ابن حزام للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت لبنان، الطبعۃ الاولیٰ 1416ھ، 1995ء

[19] بخاری، محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح بخاری، ج:ا، ص:15، دار طوق النجاۃ، الطبعۃ: الأولی، 1422ھ

[20] ابن بطال، أبو الحسن علي بن خلف بن عبد الملك، شرح صحیح البخاری لابن بطال، ج:1، ص:86، تحقیق: أبو تميم ياسر بن إبراهيم، دار النشر: مكتبة الرشد - السعودية، الرياض، الطبعة: الثانية، 1423هـ - 2003م

[21] عسقلانی، أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي، فتح الباري شرح صحيح البخاري، ج:1، ص:46، الناشر: دار المعرفة - بیروت، 1379

[22] دوانی، محمد بن اسعد جلال الدین الدوانی، شرح عقائد العضدی، ج:1، ص:73

[23] ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت، العالم والمتعلم، ص:13، تحقیق: محمد زاھد الکوثری (مجموعۃ رسائل ابی حنیفۃ)، الناشر: المکتبۃ الازھریۃ للتراث، مصر

[24] ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت، رسالۃ ابی حنیفۃ الی عثمان البتی، ص:73، تحقیق: محمد زاھد الکوثری (مجموعۃ رسائل ابی حنیفۃ)، الناشر: المکتبۃ الازھریۃ للتراث، مصر

[25] دوانی، شرح عقائد العضدی، ج:1، ص:73

[26] دوانی، شرح عقائد العضدی، ج:1، ص:74

[27] صدر الدین، علی بن علی بن محمد بن ابی العز الحنفی، شرح الطحاویۃ فی العقیدۃ السلفیۃ، ص:279، تحقیق: احمد محمد شاکر، الناشر: مکتبۃ الریاض الحدیثۃ بالریاض

[28] ملا علی قاری، علی بن سلطان محمد القاری، منح الروض الازھر فی شرح الفقہ الاکبر، ص:224، دار البشائر الاسلامیہ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولیٰ 1419ھ، 1998ء

[29] ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت، العالم والمتعلم، ص:25-26، تحقیق: محمد زاھد الکوثری (مجموعۃ رسائل ابی حنیفۃ)، الناشر: المکتبۃ الازھریۃ للتراث، مصر

[30] شہرستانی، الملل والنحل، ج:1، ص:139

[31] ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت، العالم والمتعلم، ص:25-26، تحقیق: محمد زاھد الکوثری (مجموعۃ رسائل ابی حنیفۃ)، الناشر: المکتبۃ الازھریۃ للتراث، مصر

[32] ملا علی قاری، منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر، ص:221

[33] شہرستانی، الملل والنحل، ج:1، ص:146

[34] ملا علی قاری، منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر، ص:224

[35] ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت، الفقہ الاکبر، ص:68، تحقیق: محمد زاھد الکوثری (مجموعۃ رسائل ابی حنیفۃ)، الناشر: المکتبۃ الازھریۃ للتراث، مصر

[36] شہرستانی، الملل والنحل، ج:1، ص:141

[37] عضد الدين الإيجي، عبد الرحمن بن أحمد بن عبد الغفار، أبو الفضل، کتاب المواقف، ج:3، ص:708، المحقق: عبد الرحمن عميرة، الناشر: دار الجيل-لبنان–بيروت، الطبعة: الأولى، 1417ھ - 1997م

[38] شہرستانی، الملل والنحل، ج:1، ص:141

[39] تفتازانی، سعد الدين مسعود بن عمر بن عبد الله التفتازاني، شرح المقاصد في علم الكلام، ج:2، ص:238، الناشر دار المعارف النعمانية، پاکستان، سنة النشر 1401ھ - 1981م

[40] ابن عبد البر، جامع بیان العلم وفضلہ، ج:2، ص:1081

[41] ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت، رسالۃ ابی حنیفۃ الی عثمان البتی، ص:40، تحقیق: محمد زاھد الکوثری (مجموعۃ رسائل ابی حنیفۃ)، الناشر: المکتبۃ الازھریۃ للتراث، مصر

[42] جیلانی، أبو محمد، محيي الدين عبد القادر بن موسى بن عبد الله، الغنية لطالبي طريق الحق عز وجل، ج:1، ص:186، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت–لبنان، الطبعة: الأولى، 1417ھ - 1997م